سلطان علاء الدین خلجی کے مذہبی رجحانات[1]

از جناب خلیق احمد صاحب نظامی ایم اے - ایل ایل بی -
استاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سلطان علاؤ الدین خلجی کا عہد حکومت، اسلامی ہند کی سیاسی اور مذہبی تاریخ کا سب سے زیادہ تابناک باب ہے اس زمانہ میں مسلمانوں کے سیاسی اور روحانی دونوں نظام، مشکلات ومصائب کے ابتدائی منازل طے کرنے کے بعد، اپنے پورے شباب پر پہونچ گئے تھے - التمش اور بلبن نے جس عمارت کی بنیادیں رکھی تھیں اس کو علاؤ الدین نے اپنے تدبر اور صلاحیت جہانبانی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا تھا - مسلمانوں کا سیاسی اقتدار شمالی ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی طاقت نے تسلیم کرلیا تھا اور سارا جنوبی ہندوستان سلطان کی جہانکشایانہ ہمت کا بازیچہ بن گیا تھا - سلطنت کی بنیادیں مستحکم اور استوار ہو چکی تھیں - روحانی دنیا میں جس چراغ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر اجودھنیؒ نے باد مخالف کے تیز وتند جھونکوں کے درمیان روشن کیا تھا، اس وقت نہایت آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا - حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے حقیقت ومعرفت کے چشمے ابل رہے تھے - محلات شاہی میں اگر مسلمانوں کے جاہ وجلال، شان وشوکت کے نظارے دکھائی دیتے تھے تو غیاث

---

[1] میں اپنے استاذ محترم پروفیسر شیخ عبد الرشید صاحب شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اس مضمون کو ملاحظہ فرمایا، اور اہم اصلاحیں اور مفید اضافے کئے -

پورمیں وہ "شاہنشہ بے سرپرو بے تاج"[1] جلوہ افروز تھا جس کے جمال جہاں آرا نے دہلی کو بقول برنی "رشک بغداد، غیرت مصر، ہمسر قسطنطنیہ، موازی بیت المقدس"[2] بنا دیا تھا۔ امیر خسرو کے یہ قصیدے فضاؤں میں گونج رہے تھے ؎

خوشا ہندوستاں در رونق دیں
شریعت را کمال عزّ و تمکیں
زعلم باعمل دہلی بخارا
زشاہاں گشتہ اسلام آشکارا
مسلمانانِ نعمانی روش خاص
زدل ہر چار آئیں را باخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر بازید
جماعت را و سنت را بجاں صید[3]

ایک طرف "فقر" تھا دوسری طرف "شاہی" ——— دونوں عوام کے اخلاق وعادات درست کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ سلطان نے "قہر و تعزیر"[4] سے عوام کے اخلاق درست کئے تو

---

[1] امیر خسرو کا شعر ہے ؎

شاہنشہ بے سریر و بے تاج + شاہانش بخاک پائے محتاج

(لیلیٰ مجنوں)

[2] "تاریخ فیروز شاہی" ——— از برنی۔ ص ۳۴۱ (مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی)

[3] مثنوی دولرانی (مطبوعہ علی گڑھ) ص - ۴۶ - ۴۷

[4] برنی نے علاؤالدین کے متعلق لکھا ہے ———

"از معاملات درشت او در کار دین و دنیا راست ایستادند" ص ۳۸۹ (ایشیاٹک سوسائٹی)

شیخ نے اپنے خلوص و محبت سے عوام کی زندگی میں ایک حیرت انگیز اخلاقی انقلاب پیدا کر دیا۔ دونوں کی کوششوں کا جو نتیجہ ہوا وہ برنی کی زبان سے سنئے ——

"سبحان اللہ عجب ایامے و بوالعجب	سبحان اللہ! عجیب دن اور عجیب زمانہ
روزگارے کہ در دہ سال آخر عہد	تھا جو علاؤالدین خلجی کی حکومت کے آخری
علائی خلق را مشاہدہ افتاد کہ از طرفے	دس سال میں نظر آیا یعنی ایک طرف سلطان
سلطان علاؤالدین از جہت صواب	نے اپنے ملک کی فلاح اور بہبودی و
و صلاح ملک خود جمیع مسکرات و	اصلاح کے لئے تمام نشہ آور چیزیں۔
مناہی و اسباب فسق و فجور بہ قہر و غلبہ	ممنوعات اور فسق و فجور کے تمام اسباب
و تعزیر و تشدید و بند و زنجیر منع می	ان سب کو جبر و قہر اور تشدد اور سخت
کرد .... و از طرف دیگر	گیری کے ذریعہ روک دیا تھا اور دوسری
ہمدرآں ایام شیخ الاسلام نظام الدین	طرف انہیں دنوں میں شیخ الاسلام نظام الدین
در بیعت عام کشادہ بود و گناہگاراں	اولیاء نے عام بیعت کا دروازہ کھول رکھا
را خرقہ و توبہ می داد و بارادہ خود قبول	تھا گنہگاروں کو خرقہ و توبہ عطا فرماتے اور
می کرد و خاصا و عاما و غنیا و مفلسا	اور خود اپنے ارادہ سے قبول کرتے تھے۔
و ملکا و متعلما و جاہلا و شریفا و سوقیا	اور ہر شخص کو خواہ خاص ہو یا عام مالدار ہو
و مصریا و روستائیا و غازیا و مجاہدا	یا غریب۔ بادشاہ ہو یا متعلم، جاہل ہو یا
و احرار و عبید طاقیہ و توبہ و مسواک	شریف۔ بازاری ہو یا شہری ہو یا گنوار
پاکی می فرمود و جماہیر طوائف مذکور	ہو یا غازی۔ اور مجاہد ہو۔ آزاد ہو یا غلام
از انکہ خود را مرید خدمت شیخ می دانستند	ہر ایک کو توبہ اور پاکی کی مسواک دیتے تھے۔

"واگر کسے را از ورامدگان در شیخ لغزشے افتادے باز بہ تجدید بیعت کردے وخرقہ توبہ ستدی وشرم مریدی شیخ خلق را از بسیاری منکرات ہر آو علانیۃ مانع می شد وخلق عامہ تقلیداً واعتقاداً در طاعت وعبادت رغبت نمودہ بودند....... ... ودلہائے خواص وعوام بنیکی ونیکوکاری گرائیدہ وحاشا وکلا در چند آخر عہد علائی نام شراب وشاہد وفسق وفجور وقمار وفحش ولواطت وبچہ بازی بر زبان اکثر مرداں گذشتہ باشد" لہ

اور سب لوگ چونکہ اپنے آپ کو حضرت کا مرید اور خدمت گذار سمجھتے تھے۔ اس لئے بہت سی ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اگر حضرت کے یہاں آنے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو وہ پھر بیعت کی تجدید کرکے توبہ کی خرقہ لے لیتا تھا۔ اور حضرت سے مرید ہونے کی شرم بہت سے لوگوں کو کھلم کھلا یا چھپے چوری بہت سے منکرات کے ارتکاب سے بچاتی تھی اور خلق خدا عام طور پر تقلیداً اور اعتقاداً طاعت اور عبادت کی طرف رغبت رکھتی تھی۔ خواص اور عوام کے دلوں میں نیکی اور نکوکاری نے جگہ پکڑ لی تھی۔ حاشا وکلا جو علاؤالدین کے عہد کے آخری چند برسوں میں کہیں شراب وشاہد۔ فسق وفجور۔ قمار۔ فحش لواطت۔ بچہ بازی وغیرہ کا نام بھی لوگوں کی زبان پر گذرا ہو۔

ہر علم کے استاد اور ہر ہنر کے ماہر اس وقت دلی میں موجود تھے۔ برنی نے اس زمانہ کے مشائخ، علماً

لہ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۴ - ۳۴۶

سادات، واعظین، ماہرات فن قرأت، ندما، مورخین، اطبار، منجمین، سرودگویوں اور شعرار کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے - اور بعد کو بے اختیار زبان سے نکل گیا ہے ؎

"چند چیز از عجائب روزگار بامعائنہ ومشاہدہ می شد کہ آں چناں در ہیچ عہدے وعصرے دیگر مشاہدہ نہ شد وشاید کہ معائنہ ہم نہ شود"[1] | چند چیزیں عجائب روزگار کی ایسی دیکھنے میں آئی ہیں جو کسی عہد اور کسی زمانہ میں دیکھنے میں نہیں آئیں - اور نہ شاید کبھی دیکھی جا سکیں -

اسلامی ہند کے اس تابناک دور میں حکمرانی کرنے والے سلطان، علاؤالدین خلجی کے مذہبی معتقدات ورجحانات کو مورخوں نے نہایت غلط سمجھا ہے اور یہ غلط فہمی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ ہندوستان کی ہر تاریخ میں علاؤالدین خلجی کی مذہب سے بے تعلقی کی داستان ملتی ہے - اس مضمون میں ہم اس کے مذہبی افکار، رجحانات واعمال کو سمجھنے کی کوشش کریں گے -

غلط فہمی کے اسباب | سلطان علاؤالدین خلجی کی مذہب سے بے اعتنائی کے بارے میں جو داستانیں مشہور ہوئی ہیں وہ سب ضیاء الدین برنی کے بیانات کا نتیجہ ہیں - زمانہ حال کے مورخوں نے اس سلسلہ میں دو زبردست غلطیاں کی ہیں - اور ان ہی کی وجہ سے وہ سلطان کے معتقدات ورجحانات کے متعلق صحیح رائے قایم نہیں کر سکے - اوّل تو یہ کہ انھوں نے علاؤالدین خلجی کے متعلق برنی کے خیالات پر غور کرنے سے قبل خود برنی کے رجحانات، مذہبی معتقدات، ونظریات پر غور نہیں کیا - جب تک برنی کے مذہبی ذہن وشعور، سیاسی تصورات، پایان عمر کی تلخیوں اور ان سے پیدا شدہ اثرات کو ذہن میں نہ رکھا جائے برنی کو سمجھنا بہت مشکل ہے - پروفیسر شیخ عبدالرشید شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی نے انڈین ہسٹری کانگریس (پٹنہ) کے خطبہ صدارت میں کہا تھا ——————

[1] تاریخ فیروز شاہی - ص ۳۴۹

"تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین برنی کو اب تک جس توجہ سے پڑھا گیا ہے۔ یہ کتاب اُس سے زیادہ توجہ اور مفصل مطالعہ کی مستحق ہے۔ اس عہد پر شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو آپ کے لئے اس سے زیادہ دلکشی کا باعث ہو۔ جس قدر آپ اس کو پڑھتے جائیں گے اسی قدر اپنے آپ کو مصنف سے زیادہ قریب محسوس کرتے جائیں گے۔ مصنف اپنے رجحانات اور اپنا نقطۂ نظر بلا کسی خوف تردید کے بیان کرتا اور معمولی انسانی کمزوریاں اور خوبیاں دونوں کو نمایاں کرتا ہے وہ اپنے عہد کی ایک خصوصیت کو زیادہ نمایاں کرتا ہے یعنی یہ کہ قانون کے ساتھ ساتھ اور کبھی قانون سے بھی زیادہ منفعت پر زور دیتا ہے"

دوسری غلطی جو زمانہ حال کے مورخوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ علاؤ الدین خلجی کے متعلق برنی نے جو کچھ اور جس انداز میں کہا ہے اس پر "مجموعی" حیثیت سے غور نہیں کیا۔ بعض مورخین نے تو پہلے سے قایم کئے ہوئے نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے برنی کے جملے سیاق و سباق سے علیحدہ کرکر بیان کئے ہیں؛ اور اس طرح نہ صرف ایک زبردست غلط فہمی پھیل گئی ہے بلکہ خود برنی کا مافی الضمیر بھی غلط سمجھا گیا ہے۔

برنی کے متعلق بعض باتیں یاد رکھنے کی ہیں کیونکہ ان کے بغیر اس کو صحیح طرح سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

(۱) برنی ایک مذہبی آدمی تھا۔ اور بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

"قانونی معقولیت کے متعلق برنی کے خیالات بڑے سخت تھے"[۱]

"لوازم امور بادشاہی" کے متعلق اس کے اپنے مخصوص نظریات تھے۔ ان نظریات کا اندازہ

---

[1] "Administration of the Sultanate of Delhi" p. 44.

اس کی کتاب "فتاوائے جہانداری" سے ہوتا ہے۔ ان ہی نظریات کے ماتحت وہ ہر سلطان کو دیکھتا ہے۔ جو اس معیار پر پورا نہیں اُترتا وہ اس کی نظر میں مذہبی اعتبار سے گر جاتا ہے۔

(۲) برنی نے اپنی کتاب فیروز شاہ تغلق کے عہد میں لکھی تھی۔ فیروز بے حد پابند شرع اور متدین بادشاہ تھا، علماء و مشائخ سے سلطنت کے معاملات میں مشورہ کرتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ جب برنی فیروز کے اس احترام اور پابندی شرع کو دیکھتا ہے اور پھر گذشتہ سلاطین کے حالات پر غور کرتا ہے تو مذہبی حیثیت سے ان کے نقوش ماند پڑنے لگتے ہیں اور وہ بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے۔

"ازاں روز کہ دہلی فتح شدہ است و	جب سے دہلی فتح ہوئی اور اسلام ہندوستان
اسلام در ہندوستان ظاہر گشتہ بعد	میں ظاہر ہوا ہے سلطان معزالدین محمد سام
از سلطان معزالدین محمد سام بادشاہی	کے بعد سے اب تک فیروز شاہ سلطان سے
حلیم تر و شرمگیں تر و مشفق و مہربان	زیادہ کوئی بادشاہ بردبار۔ شرمیلا مشفق
و حق شناس و وفادار تر و در اسلام	مہربان ۔حق شناس ۔ اور وفادار ۔ اور
و مسلمانی پاکیزہ اعتقاد تر از سلطان	اسلام اور مسلمانی میں پاکیزہ اعتقاد دہلی
عہد و زماں فیروز شاہ السلطان پائے	کے تخت پر نہیں بیٹھا۔
بر تخت گاہ دہلی ننہادہ است"[۱]	

پھر ایک جگہ پکارتا ہے

"من ہیچ سلطان العہد...... در اعطائے	میں نے مسلمانوں کے حقوق کی مراعات اور
حقوق مسلمانان و اتیار احکام شرع	احکام شرع محمدی کی تعمیل کے لحاظ سے سلطان
محمدی بادشاہے دیگر ندیدہ ام"[۲]	وقت (فیروز شاہ) جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا!

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی - ص ۵۴۸

اس "تقابل" اور "موازنہ" نے اس کے ذہن پر بڑا اثر کیا ہے۔ برنی کا مطالعہ کرتے وقت اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔

برنی کے ذہن میں بعض سماجی تعصبات بھی کام کر رہے ہیں وہ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب خاندانی نجابت وشرافت پر بڑا فخر کیا جاتا تھا۔ التمش اور بلبن نے اپنے تخت وتاج کے گرد صرف اعلیٰ خاندان کے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ علاؤالدین خلجی اور محمد بن تغلق نے ذات ونسل کے یہ سب امتیازات اٹھا دیئے۔ ان دونوں کی نظر میں "ذاتی قابلیت" سب سے بڑا معیار تھی۔ بر خلاف اس کے برنی کا عقیدہ تھا کہ حکومت کا کام صرف اعلیٰ خاندانوں تک محدود رہنا چاہیئے۔ اس بنا پر اس کو علاؤالدین خلجی اور محمد بن تغلق سے ایک بنیادی اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید نے برنی پر اپنے فاضلانہ مقالہ میں اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"برنی کے صفحات میں جگہ جگہ ان لوگوں کے خلاف جنھوں نے اس سماجی توازن کو ابتر کر دیا تھا ایک ذاتی ناراضگی کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے" [1]

برنی کے ان بنیادی تصورات اور رجحانات کو ذہن میں رکھ کر جب اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو مصنف سے زیادہ قریب محسوس کرتے ہیں اور اس کے ذہنی محرکات کو سمجھنے کے بعد ہم کو بہت سے نظریات میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے۔

برنی کے علاوہ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نویس نے علاؤالدین خلجی کی مذہب سے بے اعتنائی کا شکوہ نہیں کیا۔ بلکہ امیر خسرو، امیر حسن، عصامی اور وصاف نے اس کی "دین پروری" "دین داری" اور "پاس شریعت" کی تعریف کی ہے۔

مذہبی نفسیات | مورخوں کے بیانات سے کچھ دیر کے لئے قطع نظر کر کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سلطان

---

[1] Zia ud din Barni: A study, p. 23.

کے مذہبی ذہن و شعور کا مطالعہ کریں اور نفسیاتی اعتبار سے اس کے ذہنی محرکات کو سمجھنے کی کوشش کریں

سلطان علاؤالدین خلجی کی مذہبی نفسیات بے حد آسان ہے۔ اس کے افکار و اعمال میں حیرت انگیز مطابقت ہے۔ جہالت کے جہاں بہت سے عیوب اس کے اندر ہیں۔ وہاں ایک زبردست خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کو کسی مصلحت کے پیش نظر بناوٹی طور پر پیش نہیں کرتا۔ جو دماغ میں گزرتا ہے وہ اسی انداز میں زبان اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس دماغ اور زبان کی ہم آہنگی نے اس کی مذہبی کیفیات کا مطالعہ بہت آسان کر دیا ہے۔ بیرونی محرکات اور حالات گرد و پیش جس طرح سے اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح سے اس کے اعمال ڈھلتے چلے جاتے ہیں

نیا مذہب جاری کرنے کا ارادہ | سلطان علاءالدین کے عہد کے ابتدائی زمانہ کا سب سے زیادہ مشہور اور اہم واقعہ ایک نئے مذہب کے اجرا کا ارادہ ہے۔ برنی نے لکھا ہے کہ جب علاءالدین خلجی کی فوجیں فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتی ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئیں، جب دولت کی ہر چہار طرف سے فراوانی ہوئی[۱] جب سلطان کے اقتدار کا سکہ جم گیا، تو دولت و قوت کے اس نشہ نے اس کے دماغی توازن کو خراب کر دیا۔ اور اس نے ایک نیا مذہب جاری کرنیکا ارادہ کیا۔ یہ خیال علاؤالدین کے دل میں کیوں پیدا ہوا؟ اس کا جواب ہمیں اس کی نفسیات میں تلاش کرنا چاہئے۔ سلطان علاؤالدین Power - politics (سیاسی قوت) میں اعتقاد رکھتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بے حد طاقت ور بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس کی کوشش تھی کہ اپنی رعایا کی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو جائے۔ اس کا احاطۂ اختیار انسانی کردار کے ہر پہلو پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت پیدا کرلے[۲]۔

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص - ۶۲ - ۲۶۱ [۲] برنی نے اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے ——
"دآں کُن و ایں مکن و آں بگو و ایں مگو، و ایں بپوش و آں مپوش، و آں بخور و ایں مخور، و ہمیں فروش و آنچناں مفروش، و ہمچو باش و آنچناں مباش" تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۸۳

سیاسی اعتبار سے اس نے ملک میں انتہائی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ لیکن وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کا تسلط ابھی انسانی زندگانی پر مکمل نہیں۔ اور وہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مذہب بھی اس کے ظل حمایت میں پرورش پانے لگے۔ چنانچہ اقتدار، عظمت اور شہرت کی اس ہوس[1] نے اس کو ایک نئے مذہب کے جاری کرنے کی تدبیر سجھادی۔ وہ خود پڑھا لکھا انسان نہیں تھا اس لئے اس خیال کے ہر پہلو پر بالغ نظری کے ساتھ تاریخی تجربات کی روشنی میں غور وفکر کرنے کی صلاحیت اور اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ جس شخص کی زندگی میدان کارزار میں گذری ہو وہ کسی چیز کو ناممکن العمل کیوں سمجھنے لگا تھا۔؟ تیغ وتفنگ پر بھروسہ کرنے والے انسان اس حقیقت سے آشنا نہیں ہوتے کہ طاقت کے زور سے انسان کے جسم کو پارہ پارہ کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے افکار وخیالات پر قابو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ وہ لوگوں کے معتقدات پر قبضہ کرنا بھی اسی قدر آسان تصور کررہا تھا جتنا ارض ہند پر قبضہ کرنے کو اس نے سہل سمجھا تھا۔ دل میں خیال آیا اور معًا یہ سمجھ بیٹھا کہ اس میں اس کو کامیابی ہوگی

برنی نے لکھا ہے کہ سلطان اکثر اپنی شراب کی مجلسوں میں اس ارادہ کا ذکر کیا کرتا تھا۔[2]

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ مذہب کے جاری کرنے کے متعلق اس کے خیالات محض سطحی تھے۔[3] وہ محض شراب کے نشہ میں اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا جبکہ حقیقت میں وہ کسی مذہب کے جاری کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ سلطان اپنے اس ارادہ کے متعلق مجالس شراب کے علاوہ بھی مشورہ کیا کرتا تھا۔ برنی لکھتا ہے ــــــــــ

---

[1] برنی لکھتا ہے ــــــــ

"از حاضراں بپرسیدی کہ چگونہ چیزہا پیدا باید آورد تا نام من دامن قیامت گیرد" تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۳

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۶۳ - ۲۶۲

[3]

" در مجلس شراب بگفتے - دور پیدا	مجلس شراب میں کہتا اور دین و مذہب
آوردن دین و مذہب علیحدہ بالوک	کی ایجاد کے بارہ میں امرا کے ساتھ
مجلس مشورت کردے و از حاضراں	مشورے کرتا اور حاضرین سے پوچھتا کہ
بپرسیدے کہ چگونہ چیزہا پیدا باید آورد	کس طرح ایسی چیزیں ظاہر کرنی چاہئیں جس
تا نام من دامن قیامت گیرد"[1]	سے میرا نام قیامت تک رہے -

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ سلطان کے یہ خیالات اس کے مخصوص مصاحبوں تک محدود رہے[2] لیکن یہ صحیح نہیں - برنی نے بتایا ہے کہ سلطان کے اس ارادے کی خبر جب عوام کو ہوئی تو اُن میں ایک اضطراب اور بے چینی پھیل گئی - مسلم سوسائٹی کے مختلف حلقوں میں مختلف قسم کے اثرات پیدا ہوئے - "بزرگان شہر" اس کی بیوقوفی پر ہنس دے - "دانایان شہر" کو خطرات محسوس ہوئے غرض ہر طبقہ نے اپنی فکر و ہمت کے مطابق حالات کا جائزہ لیا - لکھا ہے

" بعضے بزرگان شہر بخندیدندے	شہر کے بعض بزرگ ہنستے اور بادشاہ کی
و بر جہل و حمق او حمل کردندے و	حماقت و جہالت پر اس کو محمول کرتے تھے
بعضے دانایان بترسیدندے و بایک	اور بعض عقلمند ڈرتے اور آپس میں کہتے
دیگر بہ گفتندے کہ این مرد فرعون	تھے کہ یہ شخص فرعون صفت ہے اور علمی
صفت است و علمی و خبرے ندارد و	واقفیت رکھتا نہیں ہے اور بہتری خزانوں
گنج ہائے بسیار کہ دیدہ حکمارا کور کند	کا مالک ہے جو حکمار کو بھی اندھا کر سکتے
تا بدیدہ بے خبراں و غافلاں چہ رسد	ہیں پھر بے خبر اور غافل لوگوں کا تو کہنا ہی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی - ص ۲۶۳

[2] Administration of the Sultanate of Delhi, p. 45.

بدست این بے خبر افتادہ است کہ اگر شیطان راہ و روشے کثیر برخلاف دین در دل او القا کند و این مرد در تلقین کردن آں بے راہے آدمی شصت و ہفتاد ہزار بکشد حال مسلماناں و مسلمانی چہ باشد و چہ شود[1]

کیا ہے۔ اگر شیطان نے دین کے خلاف کوئی راہ و روش اسے بتادی اور اس نے اس کی تلقین کرنے میں ساٹھ ستّر ہزار آدمیوں کو قتل کردیا تو پھر مسلمانوں اور مسلمانی کا کیا حال ہوگا!

فرشتہ کا بیان ہے کہ جب حضرت شیخ نظام الدین اولیاء اور دیگر بزرگان دہلی کو سلطان کے اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ آزردہ خاطر ہوئے اور اُن کو تشویش پیدا ہوگئی۔ لکھا ہے ——

"از شنیدن این خرافات آزردہ خاطر شدہ دعا می کردند کہ او از وسواس شیطانی برآمدہ بر جادۂ مستقیم شریعت مصطفوی ثابت و راسخ گردد[2]"

اس خرافات کے سننے سے آزردہ خاطر ہوئے اور دعا فرماتے تھے کہ وہ وسواس شیطانی سے نجات پاکر شریعت مصطفوی کے جادۂ مستقیم پر قائم و ثابت رہے!

اگر سلطان کے خیالات محض سطحی ہوتے تو اُن کی اتنی اہمیت نہ ہوتی اور شہر کے علماء و مشائخ اس قدر آزردہ خاطر نہ ہوتے۔

سلطان نے اس ارادہ کا ذکر جب علاء الملک کوتوال دہلی سے کیا تو اُس نے علاء الدین کو اُن حقائق سے آشنا کردیا جن پر اس کے سپاہیانہ دماغ نے اب تک پردہ ڈالے رکھا تھا۔ علاء الملک نے نہایت صفائی سے کہا۔

"خداوند عالم سخن دین و شریعت و

خداوند عالم! دین و شریعت اور مذہب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۶۴ [2] تاریخ فرشتہ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۰۵ (فارسی) نول کشور

مذہب اصلاً والبتہ بہ زبان نباید آورد	کی باتوں کو ہرگز زبان پر نہیں لانا چاہئے
کہ این کار انبیاء است نہ پیشۂ بادشاہان[1]	کیونکہ یہ پیغمبروں کا کام ہے نہ کہ بادشاہوں کا۔

اس کے بعد علاء الملک نے سلطان کی اس مسئلہ میں بنیادی غلطی اور عملی دشواریوں کی وضاحت اس طرح کی ——

"دین و شریعت بہ وحی آسمانی تعلق	دین اور شریعت کا تعلق وحی آسمانی سے
وارد برائے و تدبیر بشری ہرگز دین و	ہے اور انسانی تدبیر و رائے سے ہرگز دین
شریعت بنا نشود و از گاہ آدم تا امروز	اور شریعت کی بنا نہیں ہوتی ہے۔ آدم
دین و شریعت از انبیاء و رسل پیدا	سے لیکر اب تک دین اور شریعت پیغمبروں
آمدہ است و جہانداری و جہانبانی	اور رسولوں سے پیدا ہوتے ہیں اور جب
بادشاہاں کردہ اند و تا جہاں بودہ	سے کہ دنیا ہے اور جب تک کہ رہیگی
و ہست و خواہد بود۔ نبوت بادشاہ	پیغمبری بادشاہوں نے نہیں کی ہے
نکردہ اند فاما بعضے پیغمبراں بادشاہی	البتہ ہاں بعض پیغمبر بادشاہ ضرور ہوئے
کردہ اند و التماس بندۂ درگاہ آنست	ہیں مجھ بندۂ درگاہ کی التماس یہ ہے کہ
کہ بعد ازیں سخن بنائے دین و شریعت	اب آئندہ دین و شریعت اور مذہب
و مذہب انچہ خاصۂ پیغمبران آنست	کے بنانے کی بات چیت جو کہ انبیائے کرام
و با پیغمبرے ما مہر شدہ است در	کا خاصہ ہے اور جو ہمارے پیغمبر پر ختم
مجلس شراب و غیر شراب از زبان	ہو چکی ہے مجلس شراب وغیر شراب
بادشاہ بیروں نیاید و اگر ازیں بابت	میں بادشاہ کی زبان پر نہ آئے۔ اگر یہ

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۶۵

کلمات کہ بادشاہے خواہد کہ دینے ومذہبے
علیحدہ بنا کند در گوش خواص وعوام مردم
افتد ہر ہمہ خلق از بادشاہ بگردند ویک
مسلمان نزدیک بادشاہ نیاید واز ہر
طرف فتنہ وسیع خیزد۔" [1]

باتیں خواص وعوام کے کانوں تک پہونچیں
تو تمام لوگ بادشاہ سے منحرف ہوجائینگے
اور ہر طرف سے فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور
ایک مسلمان بھی بادشاہ کے پاس نہ آئیگا

علاء الملک کے اس جواب نے سلطان کو خواب سے چونکا دیا وہ چاہتا تھا کہ ایک نئے مذہب کو جاری کرکے اپنی رعایا کی زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی ہوجاوے۔ علاء الملک نے جب یہ بتایا کہ اس سے ملک میں ایسا فتنہ وفساد برپا ہوجاویگا۔ کہ "برائے صد بزرجمہر فرونہ نشیند" [2] تو سلطان کو ہوش آگیا اور اس نے اپنے ارادہ سے توبہ کی۔ علاء الملک کی صاف گوئی اور حقیقت بیانی سے علاء الدین بہت متاثر ہوا۔ اور کہنے لگا ——

"من ایں ساعت فکر کردم کہ ہمچنیں
است کہ تو میگوئی۔ مرا ایں سخناں نمی باید
گفت وبعد ازیں گاہے در ہیچ مجلس کسے
ایں چنیں سخناں از من نشنود وصد رحمت
بر تو باد وبر مادر و پدر تو کہ بر روئے من
راست گفتی" [3]

میں نے اب سوچا کہ تو جیسا کہتا ہے ویسا
ہی ہے مجھ کو ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیں
اور اب کسی مجلس میں کوئی شخص مجھ سے
ایسی باتیں نہیں سنے گا۔ تیرے اوپر اور
تیرے ماں باپ پر صد رحمت کہ تو نے مجھ
سے حق بات کہی۔

مسلمان امراء اور مشائخ کو علاء الملک کے اس جواب اور جذبہ کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اُسے دعائے خیر دی۔ [4]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۶۷ - ۲۶۵ [2] ایضاً ص - ۲۶۶ [3] ایضاً ص ۲۶۷ [4] فرشتہ جلد اوّل صفحہ

علاؤالدین کا یہ ارادہ اپنی رعایا کی زندگی کے ہر گوشہ پر مکمل تسلّط حاصل کرنے کی خواہش سے پیدا ہوا تھا۔ علاء الملک کی بے لاگ تنقید نے اس کی آنکھیں کھولدیں اور اس نے اس ارادہ کو اس طرح ترک کر دیا کہ گویا کبھی اس کے ذہن میں آیا ہی نہیں تھا۔

مذہبی علم و معلومات | سلطان علاؤالدین جاہل محض تھا۔ اس نے لکھا پڑھا مطلقاً نہ تھا اس لئے اس کی مذہبی معلومات کا سرمایہ صرف اسی قدر تھا جتنا وراثت میں مل سکتا تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے

"من کہ جاہلم و ناخواندہ و نانویسندہ ام	میں جاہل ہوں۔ لکھا پڑھا نہیں ہوں سوائے
جز الحمد و قل ہو اللہ و دعائے قنوت و	الحمد اور قل ہو اللہ اور دعائے قنوت اور
التحیات چیزے دیگر خواندن نمی دانم"[1]	التحیات کے کچھ اور پڑھنا نہیں جانتا۔

لیکن علم سے بے بہرہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ مذہب سے بھی بے بہرہ تھا۔ خود کہتا ہے۔

"من اگرچہ علمے و کتابے نخواندہ ام	میں نے اگرچہ علم اور کتاب نہیں پڑھی ہے
اما از چندیں پشت مسلمان و مسلمان	لیکن کتنی ہی پشتوں سے مسلمان ہوں اور
زادہ ام"[2]	مسلمان زادہ ہوں۔

پشتوں کی مسلمانی جس قدر مذہبی معلومات کا سرمایہ اس کو پہنچا سکتی تھی وہ اس کے پاس محفوظ تھا اور وہ اس پر مکمل اعتقاد رکھتا تھا۔ فلاسفہ اور بد اعتقاد لوگوں کی صحبت اُسے اپنی زندگی میں کبھی نہ ملی تھی۔ اور اس لئے اس کی جہالت سے کسی کو فائدہ اُٹھانے کا موقعہ بھی نہ ملا تھا وہ اپنے تقلیدی مذہب پر قانع تھا۔ برنی لکھتا ہے۔

"در اسلام اعتقاد تقلیدی بر طرفے	اسلام میں اعتقاد تقلیدی رکھتا تھا
آمیاں راسخ داشت و سخنے بدمذہباں	اور بدمذہب اور بددینوں کا سا کلام نہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۶ [2] ایضاً ص ۲۹۵

وکلام بد دیناں نگفتے و نشنیدے و نہ دانستے" [1] — کہتا اور نہ سنتا تھا۔ اور نہ جانتا تھا

برنی نے ایک جگہ شکایت کی ہے کہ

"از علم خبر نداشت و بعلماء ہم نشست و خاست نکردہ بود" [2] — علم سے واقفیت نہیں رکھتا۔ اور نہ علماء کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔

پھر دوسری جگہ اسی شکایت کو دوہرا کر لکھا ہے۔

"در امور جہانداری خود مسئلہ و روایتے نپرسیدے" [3] — اپنے امور جہانداری میں نہ کسی سے سوال کرتا اور نہ کوئی روایت پوچھتا تھا۔

لیکن تاریخی واقعات برنی کے اس بیان کی تائید نہیں کرتے، بلکہ خود اس کے صفحات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علاؤ الدین علم سے بے بہرہ تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ اس نے کبھی کسی معاملہ میں شرعی نقطۂ خیال کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ برنی نے قاضی مغیث سے گفتگو کا حال خود لکھا ہے۔ دہلی کے سلطان کی سیاسی زندگی میں ان مسائل سے زیادہ اہم مسائل کا تصور ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ان کی ہمہ گیر نوعیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نہایت ہی اہم بنیادی معاملات پر اسلامی نقطۂ نظر معلوم کرنا چاہتا تھا مذہب سے بے اعتنائی اور بے تعلقی کی صورت میں اس قسم کے استفسارات کا کوئی موقع نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب سے وہ اس قدر بے تعلق نہ تھا جتنا کہ مورخوں نے دور لیجا کر کھڑا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر الیشور ٹوپ کا یہ خیال کہ وہ مذہب سے بالکل بیگانہ تھا یا اس کا دماغ اسلامی تعلیمات

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۳ [2] ایضاً ص ۲۶۲ [3] تاریخ فیروز شاہی ص ۔ ۲۸۹

[4] Politics in Pre-Moghal Times, By Dr. I. Topa.

سے یکسر خالی تھا۔ تاریخی شواہد کے قطعاً خلاف ہے۔

قاضی مغیث سے گفتگو | قاضی مغیث سے سلطان علاؤ الدین کی مسائل شرعی پر گفتگو کئی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ اس سے سلطان کے مذہبی رجحانات احساسات و افکار کا اندازہ ہوتا ہے۔ اکثر تاریخ نویسوں نے علاء الدین کے متعلق اپنے خیالات کی تائید میں اس گفتگو کے جملے سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے نقل کئے ہیں اور اس طرح سے ان کا مفہوم اکثر جگہ بر عکس سمجھا گیا ہے۔

ایک دن سلطان علاء الدین نے قاضی مغیث سے کہا کہ میں آج تجھ سے کچھ مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔ جوبات سچ ہو وہ مجھ سے کہنا۔ قاضی مغیث نے عرض کیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ سلطان نے پوچھا۔ تجھے کس طرح سے یہ خیال پیدا ہوا۔ قاضی نے عرض کیا کہ خداوند مجھ سے مسائل دینی دریافت فرمائینگے میں حق بات کہوں گا۔ خداوند عالم کو اس پر ناراضگی ہوگی آخر کار مجھے مروا ڈالیں گے" علاء الدین نے اس پر جواب دیا " من نخواہم کشت ہر چہ از تو بپرسم پیش من راست و درست بگو"[1]

اس کے بعد علاء الدین نے قاضی مغیث سے چند اہم شرعی مسائل دریافت کئے مسائل یہ تھے۔

۱۔ " خراجگذار و خراجدہ در شرع چگونہ ہندوی را گویند"[1]

۲۔ " وزدے و اصابت در رشوت کارکنان و آنانکہ سیاقت قلم می کنند و از جمع می برند جائے در شریعت آمدہ است"[1]

۳۔ " ایں مالے کہ من باچنداں خونابہ دیدن در وقت ملکی از دیوگیر آوردہ ام۔ آں مال ازاں من است دیا از بیت المال مسلمانان"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹۰ [2] [3] ۲۹۰ - ۲۹۲ - ۲۹۳

۴۔ " مرا و فرزندان مرا در بیت المال چہ مقدار حق است"[1]

یہ سوالات فی نفسہ بے حد اہم ہیں۔ ان کی نوعیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان اہم ہمہ گیر مسائل پر اسلامی نقطۂ خیال معلوم کرنا چاہتا تھا۔ حقوق الذمیین۔ سزائے جرائم۔ مشاہرِ سلطان اور انتظام بیت المال ——— کسی مسلمان بادشاہ کی زندگی میں ان سے زیادہ اہم مسائل نہیں ہو سکتے۔ اور یہ کہ سلطان ان تمام مسائل پر شرعی زاویہ نگاہ معلوم کرنا چاہتا تھا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کو شریعت کا بے حد خیال تھا۔

کچھ لوگ شاید اس موقعہ پر یہ اعتراض کریں کہ سلطان نے ان مسائل پر قاضی سے اختلاف کیا۔ اس سلسلہ میں قاضی کے جوابات کو سن کر ہی کوئی فیصلہ کرنا ممکن اور مناسب ہے۔

ہندوؤں کی شرعی حیثیت کے متعلق سلطان نے جو سوال کیا تھا۔ اس کا جواب قاضی نے یہ دیا۔ کہ ہندوؤں سے سختی سے محاصل وصول کرنا " لوازم دینداری" میں سے ہے۔

ساتھ ہی ساتھ قاضی مغیث نے ایک بنیادی مسئلہ اور پیش کر دیا۔ ان کی گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں سے جزیہ قبول کرنے تک کے حق میں نہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ

" جز امام اعظم کہ ما مذہب او داریم در باب قبول کردن جزیہ از ہندواں۔
از صاحب مذہباں دیگر روایتے نیامدہ است"[2]

سلطان نے جب قاضی مغیث کا یہ بے موقع جوش اور غلط طرز استدلال دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑا اور کہا ——— " ازیں سخنہائے کہ تو گفتی من ہیچ نمی دانم"[3]

اس کے بعد سلطان نے خوط۔ مقدم اور دیگر ان طبقوں کی حالت پر جو سلطنت کے اقتصادی نظام میں کافی طاقت حاصل کر گئے تھے سیاسی اعتبار سے گفتگو کی اور کہا ـــ

---

[1] [2] [3] صفحات ۲۹۲ - ۲۹۰ - ۲۹۱

"اے مولائے مغیث تو مردے دانشمندی و لے تجربہا نداری - من خواندگی
ندارم و لے تجربہا بسیار دارم"[1]

قاضی مغیث نے جو نظریہ پیش کیا تھا وہ سیاسی حالات اور مسلمانوں کی تاریخی روایات کے منافی تھا۔ محمد بن قاسم نے سب سے پہلے ہندوؤں کو ذمی کے حقوق دئے تھے - اور ان کی اس حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ قاضی مغیث نے حالات گردو پیش سے آنکھ بند کر کے ایک ایسا مسئلہ پیش کر دیا جو فی نفسہ غلط ہونے کے علاوہ سیاسی بصیرت کے نقدان کا بھی نتیجہ معلوم ہوتا ہے -

قاضی نے دیو گیر کے مال کے متعلق سلطان کے استفسار کا جواب دیا ——

"آں مال کہ خداوند عالم از دیوگیر آوردہ	جو مال کہ خداوند عالم نے دیو گیر سے حاصل
است بہ قوت لشکر اسلام آوردہ است	کیا ہے وہ لشکر اسلام کی قوت سے کیا
و ہر مالیکہ بہ قوت لشکر اسلام آرند آں	ہے اور جو مال لشکر اسلام کی قوت سے
مال بیت المال مسلماناں باشد، کہ اگر	حاصل کیا جائے وہ مسلمانوں کے بیت
خداوند عالم تنہا مال از جائے حاصل کردے	المال کا مال ہوتا ہے - ہاں اگر خداوند
و آں را وجہے مباح در شرع بودے	عالم کسی مباح طریقہ پر تنہا کوئی مال
آں مال از آں خداوند عالم باشد"[2]	حاصل کرتے تو بیشک وہ خداوند عالم
	کا مال ہوتا -

اس پر سلطان کا اعتراض یہ تھا کہ اس نے یہ سب مال اپنی "ذاتی حیثیت" میں اپنے "ذاتی نوکروں" کی مدد سے اس وقت حاصل کیا تھا جبکہ وہ محض ملک تھا - اس لئے یہ مال کس طرح بیت المال کی ملکیت ہو سکتا ہے؟ سلطان نے کہا ——

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص - ۲۹۱ [2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۳ - ۲۹۲

"مالیکہ من جان خود را و جان چاکران
خود را در باختہ باشم و از ہندوانیکہ نام
ونشان ایشاں در دہلی نمی دانستند در
وقت ملکی آوردہ ام و آں را در خزانہ بادشاہ
نہ رسانیدہ و در تصرف خود داشتہ
اینچناں مال چگونہ بیت المال باشد"[1]

جو مال کہ میں اپنی اور اپنے نوکروں کی جان
پر کھیل کر ان ہندوؤں سے لایا ہوں جن
کا نام ونشان بھی دہلی میں نہیں جانتے تھے
اور یہ مال میں ملک ہونے کے وقت لایا
اور خزانۂ شاہی میں اس کو پہنچایا بھی نہیں
بلکہ اپنے قبضہ میں رکھا وہ مال کس طرح
بیت المال کا ہو سکتا ہے۔

چوتھے سوال کے جواب میں قاضی نے خلفائے راشدین کا وہ معیار زندگی پیش کر دیا جس کا ذکر بھی اس ماحول اور ان حالات گردوپیش میں قطعاً بے محل تھا۔ قاضی نے کہا:۔

"اگر خداوند عالم اتباع خلفاء راشدین
کند و درجات اُخر طلبد چنانکہ خداوند عالم
اہل جہاد را دو ہیست سی چہار تنکہ تعین کردہ
است ہماں مقدار خداوند عالم را از برائے
نفقہ و خاصہ و حرم خود بر باید داشت و
اگر خداوند عالم میان روی را کار فرماید
و اید اندکہ بدیں مقدار کہ سایر حشم راہید
میسر نشود و عزت اولو الامری نماند ہماں
قدر کہ امرائے معارف درگاہ خود را چنانکہ

اگر خداوند عالم خلفائے راشدین کی پیروی
کریں اور آخرت کے درجات طلب کریں
تو جیسا کہ اہل جہاد کے لئے دو سو چونتیس
تنکہ مقرر کر دئے ہیں اتنی ہی مقدار خداوند
عالم خاص اپنے اور اپنے اہل وعیال کے
اخراجات کے لئے لے لیں۔ اور اگر
خداوند عالم میانہ روی کو اختیار کریں اور
اور یہ سمجھیں کہ اس مقدار میں جو کہ تمام ملازمین
کو دیتے ہیں گذر نہیں ہو سکتی اور بادشاہی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۔ ۲۹۳

ملک قیران و ملک قیر بیک و ملک نایب
وکیلدر و ملک خاص حاجب را مید بد
از بیت المال بجہت نفقہ خاصہ و حرم
خود را بر باید داشت اگر خداوند عالم
برخصت روایت علمأ دنیا از بیت المال
نفقۂ خود و خاصہ حرم خود بردارد آں قدر
بر باید داشت کہ بہ نسبت دیگر بزرگاں
درگاہ بیشتر و بہتر ستانند کہ ازاں بیشتر
و بہتر خداوند عالم را از دیگراں تفرد بودئے
نماید و عزت اولوالامری بجز اری نکشند
و ہر چہ ازیں سہ طریق کہ عرض داشتم خدا
وند عالم از بیت المال بیشتر بردارد
لکھا و کرورہا و زرینہا و مرصع ہا اعطا
حرم کند جواب آں در قیامت باز پرسیدہ
شود[1]

کی شان قایم نہیں رہ سکتی تو جتنی رقم کہ
درگاہ کے بڑے بڑے لوگوں کو دی جاتی
ہے۔ اتنی ہی رقم بیت المال سے اپنے
اور حرم کے اخراجات کے لئے لے لیں
اور تیسری صورت یہ ہے کہ خداوند عالم
علمأ نے دنیا کی روایتی اجازت در خصت
کے مطابق بیت المال سے اپنا اور اپنے
حرم کا خرچ لیں تو اتنا لینا چاہئے کہ دوسرے
بزرگان درگاہ کی نسبت زیادہ اور اچھا
لے لیں جس کی وجہ سے آپ کو دوسروں
سے امتیاز ہو جائے اور بادشاہی کی شان
پر کبھی دھبہ نہ آئے۔ یہ تینوں صورتیں
جو میں نے بیان کی ہیں اگر خداوند عالم نے
ان سے تجاوز کر کے بیت المال سے زیادہ
لے لیا اور لاکھوں، کروروں، اور سونے
کی اور جڑاول چیزیں خاص حرم کو دینی
شروع کر دیں تو قیامت میں ان سب
کے متعلق باز پرس ہوگی۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۴ - ۲۹۳

اس جواب پر سلطان کو غصہ آگیا۔ لیکن غصہ جس بات پر آیا ہے وہ بھی غور طلب ہے۔ کہتا ہے

"قاضی تو کہتا ہے کہ اتنے سالوں سے میرے حرم میں جو خرچ ہوتا ہے وہ جائز نہیں تھا"

اس جملے کے پیچھے بہت سے جذبات معلوم ہوتے ہیں کیا اب تک تمام حرم کے اخراجات غیر شرعی طریقہ پر ہو رہے تھے؟

حقیقت یہ ہے صدیاں گزری تھیں کہ خود اسلامی مرکزوں سے وہ معیار اٹھ گیا تھا جس کی طرف قاضی نے اشارہ کیا تھا۔ ان سلاطین کا تو ذکر ہی کیا جن کے دل و دماغ پر قیصر و کسریٰ کی تصویریں نقش تھیں۔ قاضی مغیث کے اس سوال کے جواب میں جو بات علاءالدین نے کہی تقریباً وہی دہلی کا ہر سلطان کہتا کہ سیاسی حالات کا تقاضا یہی ہے۔ لیکن اس سے سلطان کی مذہب سے نفرت یا بے تعلقی کا نتیجہ کسی طرح اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

سلطان کی اس گفتگو اور برہمی سے قاضی مغیث کو یہ خیال پیدا ہوا کہ علاءالدین اس سے سخت ناراض ہو گیا ہے۔ اور اب اس کی جان کی سلامتی ممکن نہیں۔ اگلے دن جب اسی خوف اور ہراس کے عالم میں دربار میں آیا تو سلطان نے قریب بلایا خلعت اور ہزار تنکہ انعام دیا[1]۔ اور اس کے بعد کہا

"من اگرچہ علمے و کتابے نخواندہ — میں نے اگرچہ علم اور کتاب کا مطالعہ نہیں
ام اما از چندیں پشت مسلمان و مسلمان — کیا ہے لیکن کتنی ہی پشتوں سے مسلمان
زادہ ام و از برائے آنکہ بلغا کے نشود — ہوں اور مسلمان زادہ ہوں اور اس غرض

[1] اگر سلطان قاضی کے اس شرعی نقطۂ خیال پیش کرنے سے ناراض ہو جاتا (جیسا کہ برنی کے انداز سے شبہ ہوتا ہے) تو وہ یہ عطیہ قاضی کو ہرگز نہ دیتا۔

که در ملغاک چندین هزار آدمی کشته می
شود بهر چیزیکه دران صلاح ملک و
صلاح ایشان باشد بر خلق امر می کنم
و مردمان ده دیدگی و بے التفاتی می
کنند و فرمان مرا بجائے نمی آرند مرا ضرورت
می شود که چیزها درشت درباب ایشان
حکم کنم که ایشان بدان فرمان برداری کنند
ونمی دانم که آن حکمها مشروع است
دیا نامشروع ومن در هرچه صلاح ملک
خود می بینم و مصلحت وقت مرا در آں
مشاهده می شود حکم می کنم ونمی دانم که
خدائے تعالیٰ فردا قیامت بر من چه خواهد
کرد فاما اے مولانائے جمعیت من یک
چیز در مناجات خود با خدائے تعالےٰ
می گویم که بار خدائے تو می دانی که اگر یکے
بازن دیگر سفاح می کند مرا در ملک
من زیاں نمی دارد و اگر کسے شراب می
خورد هم مرا زیانے نمیست و اگر دزدے
می کند جائے از میراث پدر من نمی برد

ہے کہ فساد نہ ہو کیونکہ فساد میں ہزاروں
آدمی مارے جاتے ہیں - میں جس چیز میں
ملک کی بھلائی دیکھتا ہوں لوگوں کو اس
کا حکم کرتا ہوں لوگ بے پروائی اور بے
توجہی برتتے ہیں اور میرا فرمان بجا نہیں
لاتے اس لئے ضرورت ہے کہ میں ان کے
متعلق سخت احکام نافذ کروں کہ وہ ان
کی تعمیل کریں - میں نہیں جانتا کہ وہ احکام
جائز ہیں یا نہیں - میں تو جن چیزوں میں ملک
کی بھلائی دیکھتا ہوں اور ان کو وقت کے
مناسب پاتا ہوں ان کا حکم کر دیتا ہوں
میں نہیں جانتا کہ کل خدا کا معاملہ میرے
ساتھ کیا ہوگا ! لیکن ہاں اے مولانا مغیث
میں ایک بات خدائے تعالیٰ کے ساتھ
مناجات میں کہتا ہوں ! اور وہ یہ کہ اے
خدا تو جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت
کے ساتھ زنا کرے تو اس سے میرے
ملک میں کوئی نقصان نہیں ہوتا - اگر کوئی
شراب پیتا ہے تو مجھ کو اس سے بھی کوئی

کہ مرا در دآید و اگر مال می ستانند در	نقصان نہیں پہنچتا اگر کوئی چوری کرتا ہے
نامزدی الی رود و از نارفتن دہ لبست نفر	تو میرے باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں
کارنامزدی الی ماند در باب ایں چہار	لیتا۔ جس کا مجھ کو درد ہو۔ اور اگر کوئی مال
طائفہ انچہ حکم پیغامبران است ان بکنم[1]	ہڑپ لیتا ہے اور اس کا اندراج نہیں ہوتا
	اور دس بیس آدمیوں کے نہ جانے سے
	نامزدی کا کام رکتا نہیں ہے ــــــ
	لیکن اس سب کے باوجود ان چاروں لوگوں
	کے متعلق میں وہ ہی کرتا ہوں جو پیغمبروں کا حکم ہے

اس جواب سے سلطان کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اس نے بہت سی باتوں کی وضاحت اس میں کر دی ہے۔

(۱) سلطان نے یہ خیال کر کر کہیں قاضی کو اس کے مذہبی اعتقادات یا شریعت کے احترام کے متعلق شبہ نہ ہو جائے صاف صاف کہہ دیا کہ گو میں پڑھا لکھا نہیں ہوں لیکن میں مسلمان ہوں۔ میرے اجداد مسلمان تھے اور میں مسلمان پیدا ہوا ہوں۔

(۲) سلطان نے بتایا کہ جہاں تک احکاماتِ شرعی کا تعلق ہے وہ اپنی بے علمی کے باعث اُن سے واقف نہیں۔ لیکن سیاسی مقتضیات جو ہوتے ہیں اُن کے پیشِ نظر وہ "صلاحِ ملک" اور "صلاحِ خلق" کے لئے احکامات نافذ کرتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم کہ کہاں تک یہ احکامات شرع کے مطابق ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کو شرع کا علم نہیں ہے لیکن جہاں تک نیت کا تعلق ہے وہ سب کچھ ملک کی بہبودی کی خاطر کرتا ہے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹۶ - ۲۹۵

(۳) آخر میں سلطان بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ کیا کیا دعائیں کرتا ہے اور کس طرح عرض کرتا ہے کہ وہ عوام کے اخلاق و اطوار کی درستی میں کوشاں ہے۔

اس تمام گفتگو کو اگر صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو سلطان کے مذہبی رجحانات کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں دور ہوجائیں گی۔ تاریخ نویسوں نے اس گفتگو کو اس طرح سے نقل کیا ہے کہ سلطان کا سارا مافی الضمیر مسخ ہوگیا ہے اور اس کے متعلق طرح طرح کے غلط خیالات پیدا ہوگئے ہیں۔ میرے خیال میں جو جملے اس کی مذہب سے بے تعلقی کے ثبوت میں نقل کئے جاتے ہیں وہ اس کے احترام مذہب کی سب سے زیادہ قوی دلیل ہیں۔

مولانا شمس الدین ترک کی آمد | سلطان علاء الدین خلجی کے دور حکومت میں ایک مشہور محدث اور عالم مولانا شمس الدین ترک مصر سے ملتان تشریف لائے تھے۔ اُن کے ہمراہ حدیث کی ۴۰۰ کتابیں تھیں وہ ملتان ہی میں تھے کہ اُن کو معلوم ہوا کہ سلطان نماز ادا نہیں کرتا اور جمعہ میں بھی حاضر نہیں ہوتا۔ یہ سنتے ہی انھوں نے دہلی آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور سلطان کو علم حدیث کی تشریح میں ایک رسالہ لکھ کر بھیجا جس میں بقول برنی "در مدح سلطان مبالغت نمود"[1] ساتھ ہی انھوں نے فارسی میں ایک رسالہ لکھ کر سلطان کے پاس بھیجا۔ اُس میں لکھا تھا۔

میں مصر سے بادشاہ اور شہر دہلی کا ارادہ کرکے آیا تھا۔ اور مقصد یہ تھا کہ میں خدا اور رسول کے لئے دہلی میں علم حدیث کا درس جاری کروں اور مسلمانوں کو بے دیانت فقیہوں کی روایت پر عمل کرنے سے نجات دلاؤں۔ لیکن جب میں نے سنا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھتا اور جمعہ میں نہیں آتا تو اب میں ملتان سے ہی واپس جاتا ہوں[2]

اس رسالہ میں مولانا ترک نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے بادشاہ کی دو تین ایسی صفات

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۷ [2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۷

سنی ہیں جو "بادشاہان دین دار" کی خصوصیات ہیں اور دو تین باتیں ایسی سنی ہیں جن کی شاہان دیندار سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ خوبیوں کو مولانا ترک اس طرح گناتے ہیں ————

(۱) "خواری وزاری ولا اعتباری وبے مقداری ہندوان"

سلطان کے اس "کارنامہ" کا ذکر کرنے کے بعد بے اختیار لکھتے ہیں۔

"آفریں اے بادشاہ اسلام برایں دین پناہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم"[۱]

(۲) "شنیدہ ام کہ غلہ وقماش واسباب چناں ارزاں کردہ کہ سر سوزنے براں زیادت تصور ندارد"[۲]

میں نے سنا ہے کہ اناج اور کپڑے اور دوسری چیزیں آپ نے اتنی ارزاں کردی ہیں کہ سوئی کے ناکہ کی برابر بھی اس پر زیادتی کا تصور نہیں ہو سکتا۔

پھر کہتے ہیں کہ یہ کام اتنا سخت تھا کہ بہت سے بادشاہوں نے کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے تعجب ہے کہ آپ کے لئے ایسا کرنا کیونکر ممکن ہو گیا۔

(۳) "شنیدہ ام کہ جملہ مسکرات را بادشاہ برانداختہ است وفسق وفجور درکام فاسقان وفاجراں از زہر تلخ تر شدہ است"[۳]

سنا ہے کہ تمام نشہ آور چیزوں کو بادشاہ نے باہر نکال پھینکا ہے اور فسق وفجور فاسق لوگوں کے کام ودہن میں زہر سے بھی زیادہ کڑوا ہو گیا ہے۔

اس پر بادشاہ کو مبارکباد دیتے ہیں۔

(۴) "شنیدہ ام کہ بازاریاں اہل السوق راکہ اہل اللعنت اند در سوراخ موش در آوردہ"

سنا ہے کہ بازاری لوگوں کو آپ نے چوہے کے بل میں گھسا دیا ہے۔

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۷ [۲] ایضاً۔ ص ۲۹۸ [۳] ایضاً

اس پر بھی بادشاہ کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کام بھی ایسا ہے کہ آدم کے وقت سے اب تک کسی بادشاہ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہو سکا۔

ان چاروں خوبیوں پر سلطان کو مبارک باد دینے کے بعد شیخ ترک بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں۔

"اے بادشاہ مبارکت باد کہ بدیں چہار عمل درمیان انبیاء جائے تست"[1] اے بادشاہ! تجھکو مبارک کہ ان چار کاموں کی وجہ سے تیرا مقام پیغمبروں کے درمیان ہے۔

اس کے بعد جن باتوں کی شکایت کرتے ہیں اُن پر بھی غور کرنا چاہئے

(۱) تم نے قضا کا کام حمید ملتانی جیسے شخص کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ دنیادار آدمی ہے اور قضا کا کام "نازک ترین اشغال دین" میں سے ہے۔ اس میں احتیاط لازم ہے۔

(۲) میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفےٰ کو ترک کیا جاتا ہے اور دانشمندوں کی روایت پر عمل کیا جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ "جس شہر میں حدیث کے باوجود فقہ کی روایت پر عمل کریں وہ شہر اینٹ کیوں نہیں بجاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں برسنے لگتے۔

(۳) آخر میں شکایت کی تھی کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں " دانشمند بدبخت سیاہ رو" مسجدوں میں بیٹھتے ہیں۔ اور رشوت لے کر فتوے دیتے ہیں۔ اور اُن کی بد دیانتی کی خبریں قاضی کی وجہ سے تم تک نہیں پہونچتیں[2]

ان سب کمزوریوں میں سب سے زیادہ وزنی اعتراض جو سلطان کے ذاتی کردار سے متعلق ہے وہ نماز سے غفلت ہے۔ بلاشبہ مذہبی فرائض کی ادائیگی میں یہ کوتاہی انتہائی قابل اعتراض ہے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۸ [2] ایضاً

لیکن اس کو سلطان کی مذہب سے بے تعلقی، نفرت یا دشمنی پر محمول کرنا (جیسا کہ بعض لوگوں نے کیا ہے) غلط اور گمراہ کن ہے اس سلسلہ میں بے اختیار خواجہ میر حسن علاء سنجری کی یہ رباعی زبان پر آجاتی ہے [1]

دل را غم یار خارخارے دگراست　　تقویٰ و صلاحیت شعارے دگر ست
مشغول بدو شمارے دگر ست　　بیروں ز نماز و روزہ کارے دگر ست

جہاں مولانا شمس الدین ترک کا یہ اعتراض نقل کیا جاتا ہے وہاں اُن کا یہ جملہ بھی یاد رکھنا چاہئے جو انھوں نے سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"درمیاں انبیار جائے نست" [2]

برنی نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ اور کتاب مولانا نے بھیجی تو بہاء الدین دبیر نے کتاب تو سلطان علاء الدین کی خدمت میں پیش کر دی لیکن رسالہ اپنے پاس رکھ لیا۔ اس لیے کہ اس میں قاضی حمید کے متعلق شکایات تھیں۔ برنی کو ملک قرابیگ نے بتایا تھا کہ اس رسالہ کی اطلاع سعد منطقی نے علاء الدین کو کر دی تھی۔ اور بہاء الدین کی اس حرکت پر سلطان بے حد برہم ہوا تھا علاء الدین کو مولانا شمس الدین کے واپس چلے جانے کا افسوس ہوا۔ [3]

ملکی نظام اور مذہب برنی نے متعدد جگہ شکایت کی ہے کہ سلطان نے سیاسی معاملات میں مذہب کو دخل انداز نہ ہونے دیا۔ علاء الدین کے سیاسی و مذہبی عقیدے کے متعلق وہ لکھتا ہے۔

"چوں در بادشاہی رسید در دل او ہم　　بادشاہ ہونے پر اس کے دل میں یہ خیال
چنیں نقش بستہ کہ ملک داری و جہانبانی　　جم گیا کہ ملک داری اور جہانبانی ایک علیحدہ
علیحدہ کار لیست و روایت و احکام شریعت　　کام ہے اور احکام شریعت و روایت ایک

[1] دیوان حسن سنجری دہلوی۔ (حیدرآباد) ص۔ ۲۰　[2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۹۹　[3] ایضاً

علیحدہ امر سیت و احکام بادشاہی بہ بادشاہ متعلق است و احکام شریعت بروایت قاضیاں و مفتیاں مفوض است در حکم اعتقاد مذکور ہر چہ در کار ملک داری و در افراہم آمدی و صلاح ملک دساں دیدی آں کار خواہ مشروع و خواہ نا مشروع بکردے"[1]

الگ کام ہے۔ احکام بادشاہی کا تعلق بادشاہ سے ہے اور احکام شریعت کا تعلق قاضیوں اور مفتیوں سے ہے۔ بادشاہ اپنے اسی اعتقاد کے مطابق ملک داری کے کاموں میں جو مناسب سمجھتا اور جس میں وہ اپنے ملک کی بھلائی دیکھتا تھا وہ کرتا تھا خواہ وہ جائز ہوتا یا ناجائز۔

لیکن برنی کے اس بیان سے اتفاق کرنا بہت مشکل ہے۔ اس نے اپنے اس دعویٰ کی تائید میں واقعات سے بحث نہیں کی۔ تاکہ ہم اعمال کا جائزہ لے سکتے جن کی بنا پر برنی اس قسم کا خیال ظاہر کرنے پر مجبور ہوا۔ برخلاف اس کے برنی کے صفحات میں خود اس بیان کی تردید موجود ہے سلطان کے کسی عمل سے جان بوجھ کر شریعت کی مخالفت ظاہر نہیں ہوتی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے کہ یہ خیال کہ سلطان علاء الدین خلجی نے شرع کو نظر انداز کر دیا تھا صحیح نہیں۔ اس نے نہایت سخت ضرورت اور مشکل کے وقت بھی خراج کی مقدار مقرر کرنے میں شرع کے عائد کردہ حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ اس نے ملک کے سماجی نظام کے سلسلہ میں احکامات احتساب پر بہترین طریقہ سے عمل کیا تھا۔[2]

درستی اخلاق کی کوششیں سلطان علاء الدین خلجی نے عوام کے اخلاق درست کرنے کے لئے بے پناہ کوششیں کیں۔ امیر خسروؔ نے خزائن الفتوح میں سلطان کی بعض اہم مساعی کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۸۹ [2] The Administration of The Sultanate of Delhi p: 45.

جن میں سے ایک یہ ہے کہ طوائفوں کے نکاح جبراً کرادیے[1]۔

خون پینے والے جادوگروں (سحرۂ خون آشام) کو سلطان نے بالکل ختم کردیا۔ اس گروہ کے سب لوگوں کو گردن تک زمین میں گاڑ کر سنگسار کردیا گیا[2]۔

سلطان نے شراب نوشی کے انسداد کے لئے بھی بے حد جدوجہد کی اس نے شراب کا بیچنا اور پینا ممنوع قرار دے دیا تھا۔ علاءالدین پہلا ہندوستانی فرمانروا تھا جس نے شراب بیچنے کے مکمل انسداد کی کوشش کی۔ اس نے بگنی، بھنگ اور جوے کو بھی ممنوع کردیا تھا۔ شراب پینے والوں کی سزا کے لئے اس نے قید خانہ بنوائے اور خماران و قماران و بگنی گراں[3] کو شہر بدر کردینے کا حکم دیا تھا۔ برنی نے لکھا ہے کہ اس حکم کی وجہ سے سلطان کو خراج کا بہت نقصان ہوا ——

"خراجہائے بے اندازہ ایشاں از دفا تر دور کردند"[4]

لیکن سلطان نے اس حکم کو درستی اخلاق اور حکومت کے استحکام کے لئے ضروری سمجھا اور اس کے نفاذ میں سختی سے کام لیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے سب جام و سبو توڑ ڈالے۔ در بداؤں دروازہ کے پاس ان کے ڈھیر لگ گئے۔ محل شاہی میں جتنی شراب تھی وہ سب پھینکدی گئی۔ برنی کا بیان ہے کہ بداؤں دروازے میں اس قدر شراب پھینکی گئی تھی کہ کیچڑ پیدا ہوگئی تھی[5]۔

---

[1] خزائن الفتوح مطبوعہ علی گڈھ ص ۱۹-۱۸ [2] خزائن الفتوح ص ۲۰
[3] "بگنی بفتح باؤ سکون کاف فارسی۔ نوعے از شراب باشد کہ آں را با عربی نبیذ خوانند......
... و بابائے فارسی یعنی بگنی نیز بہ نظر آمدہ"
صائب لکھتا ہے ؎ مست گشتم ز جرعہ بگنی + شد مزاجم ز بھنگ مستغنی
[4] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۴ [5] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۴
[6] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۴

امراء کو حکم دیا گیا کہ وہ ہاتھیوں پر بیٹھ کر شہر کے بازاروں، سڑکوں اور محلوں میں شراب نوشی کے انسداد کی منادی کریں۔ برنی نے لکھا ہے کہ اس حکم کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ "حیادار" تھے انھوں نے اس کے بعد شراب پینا بند کر دیا۔ جو لوگ "بدنفس" اور "بے شرم" تھے انھوں نے اپنے گھروں میں بھٹیاں کھول لیں اور پوشیدہ طور پر تجارت کرنے لگے۔ سلطان نے ایسے لوگوں کو عبرتناک سزائیں دیں[۱]۔

زانی لوگوں کے بعض گروہوں کو جو "اصحاب اباحت" کے نام سے مشہور تھے سلطان نے قطعاً نیست و نابود کر دیا[۲]۔ اصحاب اباحت کے متعلق پروفیسر محمد حبیب صاحب کا خیال ہے کہ ان لوگوں سے مراد قرامطہ، اسمٰعیلی اور دیگر مرتد شیعہ طبقہ مقصود ہیں[۳]۔

امیر خسرو سلطان علاءالدین کی دینداری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ——

پھر جب کہ اس مددگار شریعت کے کمال دینداری نے تمام اصحاب اباحت کو بلوایا اور سچے جاسوس اپنے متعین کر دئے تو ان میں سے ہر ایک کو دربار میں بلایا اور ان کی تفتیش کی۔	"باز از آنجا کہ کمال دین داری این معین شریعت جملگی اصحاب اباحت را احضار فرمود، و متفحصان صادق را بر ایشان گماشت تا ہر یک را پیش جستند، و از وے تفتیش کردند"[۴]

سلطان نے درستی اخلاق کے لئے یہ قدم کن جذبات و مقاصد کے ماتحت اُٹھایا تھا؟ اس سلسلہ میں اس کے ذہنی محرکات کا تجزیہ کرنا مشکل ہے لیکن اگر برنی کے ایک بیان پر یقین کیا جا سکتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس مسئلہ میں مذہبی جذبات بھی شامل تھے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے

۱؎ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۲۸۴ - ۲۸۵ ۲؎ خزائن الفتوح۔ ص ۲۱ ۳؎ The Campaigns of Alauddin by Prof: Habib p 12. f. n. 3 ۴؎ خزائن الفتوح ص - ۲۱

اس نے قاضی مغیث سے اپنی گفتگو میں کہا تھا کہ " میں خدا تعالیٰ سے اپنی مناجات میں کہتا ہوں کہ کسی چور یا زانی یا شراب خوار نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اس کو سزا دوں۔ اس کے باوجود میں جو اس کو سزا دیتا ہوں تو صرف پیغمبروں کے نقش قدم پر چلنے کی غرض سے دیتا ہوں!

سلطان علاء الدین خلجی، امیر خسروؒ کی نظر میں حضرت امیر خسروؒ کا، سلطان بلبن کے زمانہ سے لے کر سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد تک ہمیشہ کسی نہ کسی دربار سے تعلق رہا ہے اگر ایک طرف ملک چھجو، شہزادہ محمدؒ، حاتم خاں کی تعریف میں انھوں نے قصیدے کہے ہیں تو دوسری طرف سلطان جلال الدین، علاء الدین خلجی، مبارک خلجی اور غیاث الدین تغلق کے دربار بھی اُن کے قصیدوں سے گونج اٹھے تھے۔ ان سب قصیدوں کا اگر مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین کی شان میں جو قصائد انھوں نے لکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ جوش، جذبہ اور جان ہے اور اس کی ایک وجہ ہے۔ اب تک ان کے ممدوح کسی غیر معمولی قابلیت کے مالک نہ تھے۔ علاء الدین جب تخت پر آیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ حقیقت میں تعریف کا مستحق بادشاہ تخت پر آگیا ہے۔ پروفیسر محمد حبیب صاحب نے لکھا ہے ——

"علاء الدین خلجی کے آتے ہی ایک حقیقی ہیرو اسٹیج پر آگیا۔ اور امیر خسرو نے ایک شاعر کی سچی تیز نگاہی کے ساتھ منافقت کو دور کر کے حقیقت کو اختیار کر لیا اور پھر ایسے قصائد لکھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں لکھے تھے۔"[1]

امیر خسروؒ نے اپنی مثنویوں میں سلطان علاء الدین خلجی کی مذہبی دلچسپیوں کا نہایت بلند آہنگی سے ذکر کیا ہے۔ " مجنوں لیلیٰ " میں سلطان کے متعلق لکھتے ہیں[2]

---

[1] " امیر خسرو " - از پروفیسر محمد حبیب (علی گڈھ) [2] " مجنوں لیلیٰ " بہ تصحیح نواب حبیب الرحمن خاں شیروانی - (علی گڈھ) ص - ۱۵

سینہ اش صدفِ دُرِ الٰہی — سنگش[1] محکِ عیارِ شاہی

ایک اور شعر ہے ؎

دیں را علمش عماریٔ خواب — محرابیٔ او پناہِ محراب[2]

"آئینۂ سکندری" کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

محمد جہانگیر حیدر مصاف — کہ از بیش او پس خزد کوہ قاف

چراغ بنور حق افروختہ — عدو را بہ پروانگی سوختہ[3]

"مطلع الانوار" میں لکھتے ہیں ؎

شاہِ محمدؐ کہ بتائید رائے — کرد قوی شرعِ رسولِ خدائے[4]

پھر ایک جگہ کہتے ہیں ؎ قاعدۂ ملک تو بنیادِ دیں[5]

اسی مثنوی میں ایک جگہ سلطان کو ایماں پناہ کہتے ہیں۔[6]

"شیریں و خسرو" میں سلطان علاء الدین کے متعلق لکھتے ہیں ؎

رضائے حق بہ تسلیمے خریدہ — دعائے را بہ اقلیمے خریدہ

رہِ دیں بس کز و بجیا رماندہ — سلاحِ غازیاں بیکار ماندہ[7]

"دولرانی" میں کہتے ہیں ؎

علائے دین و دنیا شاہ والا — بقدرت نائبِ ایزد تعالیٰ

چو انصافِ عمرؓ صیتش شنیدہ — زایامِ عمر سوئیش دویدہ[8]

---

[1] "مجنوں لیلیٰ" ص ۱۷۔ محرابی نوعے است از شمشیر [2] "آئینۂ سکندری" بہ تصحیح مولانا سعید احمد فاروقی (علیگڈھ) ص ۱۴ [3] "مطلع الانوار" بہ تصحیح مقتدی خاں شیروانی (علی گڈھ) ص ۲۴ [4] مطلع الانوار" ص ۲۶-۲۷ [5] "شیریں و خسرو" بہ تصحیح حاجی احمد علیخاں اسیر (علیگڈھ) ص ۱۲ [6] "دولرانی" بہ تصحیح رشید احمد انصاری (علیگڈھ) ص ۱۶-۱۷

"خزائن الفتوح" میں لکھتے ہیں۔

"اثرے از مآثر جہانداری ایں خلیفہ، محمدؐ نام، ابوبکر صدق، عمر عدل، نیز باز گویم کہ عثماں وار آیات رحمت رحمانی را در جلد مصحف وجود چگونہ جمع آوردہ است وعلی کردار ابواب علم را در مدنیۃ الاسلام دہلی بکلید احسان بر چہ نمط باز کشادہ و ایں مصر جامع را از کف دجلہ فیض بچہ آب روشنی بغداد دادہ، و رایات عباسی کہ از افتادن واقعات گراں خورد شکستہ بود بعلامات خلافت خویش بقاعدۂ عدل از سر برپائے کردہ، و عرصہ ممالک آفاق را از ارشاد رائے رشید بر چہ طریق مامون گردانیدہ و در جمیع امور چہ نوع المستنصر باللہ و المستعصم بودہ بودہ"[1]

یہ خلیفہ جو کہ محمد نام رکھتا تھا اور جو حضرت ابوبکر کا سا صدق اور حضرت عمر کا عدل رکھتا تھا اُس کے کارنامہائے جہانداری میں سے ایک کارنامہ بیان کرتا ہوں کہ حضرت عثمان کی طرح اُس نے .... خداوندی رحمت کی نشانیوں کو مصحف وجود کی جلد میں کس طرح جمع کر دیا ہے اور حضرت علی کی مانند علم کے دروازوں کو مدنیۃ الاسلام دہلی میں کس طرح احسان کی کنجی سے کھول دیا ہے اور اس بڑے شہر کو فیض کے دجلہ کے پانی سے کس طرح بغداد کی سی روشنی بخش دی۔ اور عباسی جھنڈے جو کہ سخت قسم کے واقعات کے پیش آنے کی وجہ سے سرنگوں ہو گئے تھے ان کو کس طرح پھر اپنی خلافت کی نشانیوں سے عدل کے ستون پر قایم کر دیا ہے اور تمام دنیا کے ممالک کو اپنی پختہ اور صحیح رائے سے مامون رشید کی طرح منظم کر ڈالا ہے۔ جو امور سلطنت کے معاملات میں رہ گئے تھے کس طرح المستنصر باللہ اور المستعصم نے انجام دیئے ہیں۔

---

[1] "خزائن الفتوح"۔ (علی گڑھ) - ص ۲۷

سلطان علاء الدین خلجی، امیر حسن علاء سنجری کی نظر میں | " دستور صادقاں ارادت"[1] یعنی "فوائد الفوائد" کے مرتب خواجہ امیر حسن علاء سنجری، علاء الدین خلجی کے عہد کے مشہور شاعر اور بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ میں "سعدی ہند" کے خطاب سے یاد کئے جاتے تھے[2]۔ قناعت اور علائق دنیا سے تجرد و تفرد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ برنی کا بیان ہے کہ میں نے ان اوصاف میں اُن جیسے کم لوگ دیکھے ہیں"

اُن کی زندگی میں کئی خاندان حکمراں ہوئے۔ اور بعض بادشاہ ان میں شعر و سخن کے دلدادہ اور فدائی تھے۔ مگر وہ ان سب درباروں سے علیحدہ رہے[3] لیکن سلطان علاء الدین کے عہد میں انھوں نے خوب قصیدے کہے اور سلطان کی نہایت بلند آہنگی سے مدح و ثنا کی۔ گو مبالغہ آرائی قصیدے کی جان ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حقیقت نگاری اور قصیدہ نگاری میں تضاد ہے۔ امیر حسنؒ کے قصائد اگر ذرا گہری نظر سے مطالعہ کئے جائیں تو مبالغہ کے پردے اُٹھتے ہوئے معلوم ہونے لگتے ہیں اور سلطان کے اصلی خط و خال نمایاں ہو جاتے ہیں۔ خود امیر حسن کا فرمانا ہے ؎

تو سخن سنجیدہ می گوئی دلعل مدح تو | ہرگز اندر بۂ اندیشہ نتواں برکشید[4]

قصیدہ گو کی ہمیشہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے ممدوح کے اُن اوصاف کو بیان کرے جن سے وہ زیادہ سے زیادہ خوش ہو سکے اور جو اس کے رجحانات کی صحیح ترجمانی کرتے ہوں۔ امیر حسنؒ کے قصائد اُٹھائیے۔ جگہ جگہ بادشاہ کی "دین داری" اور "دین پروری" کی تعریف ہے۔ "دین پناہ" اور "دین پرور" کے لقب سے ایک جگہ نہیں متعدد جگہ بادشاہ کو خطاب کیا ہے۔ اس سلسلہ کے

---

[1] "وایں فوائد الفواد، دستور صادقاں ارادت شدہ است"، برنی [2] تاریخ فیروز شاہی [3] "دیوان حسن سنجری" (مطبوعہ حیدرآباد) مقدمہ ص ۶۳ [4] دیوان حسن سنجری ص ۴۸۴

کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ــــــــــ

؎ علاء الدین والدنیا محمدؐ شاہ دیں پرور
که از الطاف غیبی انچہ او خواہد ہماں بادا (ص ۴۵۳)

؎ دست فلک چو برکشد بیرق صبحگاہ را
روح امیں دعا کند دولت پادشاہ را
شاہ جہاں علاء الدین کوست پناہ دین حق
عصمتِ حق پناہ باد ایں شہ دیں پناہ را (ص ۴۵۵)

؎ تو دیں خدائے را نگہباں تائید خدا نگاہبانت (ص ۴۶۷)

؎ خدا یگاں زمین و زماں محمدؐ شاہ
که کار دیں محمدؐ باعتقاد کند (ص ۴۷۲)

؎ یارب ہمہ جہاں مدد عمر شاہ باد
اسلام در پناہ شہ دیں پناہ باد (ص ۴۷۵)

؎ اے تو شہ دیں پناہ ودیں بتو آورد پشت
عصمت پروردگاہ پشتِ پناہ تو باد (ص ۴۷۸)

؎ شاہ ما چوں ملت حق را کند پشتی بعدل
می سزد گر نصرت غیبش بہ پشتیباں شود (ص ۴۸۲)

؎ دیں حق را چو نگہباں و نگہ داری تو
حق ہمہ جائے نگہدار و نگہباں تو (ص ۴۷۱)

؎ ثبات ملت و ملک از بقائے او بادا بقائے اوست کہ اسلام را مدار آمد (ص ۴۸۴)

ے زربخش علاؤالدین بر دنیا و دیں حافظ
دیں را بکنف دارد دنیا العطا بخشد (ص ۴۸۵)

ے کرمہا کرد حق در حق سلطان مسلماناں
حقیقت شد کہ او را در مسلمانی ہمی باید
فراہم می کند از فضل یزداں کار ملک و دیں
بلے ایں کارہا از فضل یزدانی ہمی باید (ص ۴۸۵)

ے دل پاک کہ اماں بخش مسلمانانست
چوں دل شہ بہ دیں مسلمانی باد (ص ۴۸۵)

ے اکنونکہ دین حق ز در تو سدد گرفت
چوں دور چرخ مدت ملکت مدید باد (ص ۴۸۸)

ے اے تو شہ دیں پناہ دیں بتو افزودہ است
عصمت پروردگار پشت و پناہ تو باد (ص ۴۹۰)

ے سر شاہاں مدار و ہر رو ئے ملک و پشت دیں
علاء الدین والدنیا محمد شاہ دیں پرور
مبارک روئے و فرخ رائے و گردوں بخت و دریا کف
مخالف سوز شرع اندوز و دیں افروز و دیں گستر (ص ۴۹۸)

ے سلطان علاء دولت و دیں کز عسلو اد
اسلام و شرع آمدہ ہر روز بیش بیش (ص ۵۰۱)

سلطاں علاء دنیا و دیں آنکہ دین حق + در سایۂ سرادق او کرد جائے خویش (ص ۵۰۴)

ع علاء الدین والدنیا محمد شاہ دیں پرور
کہ سلطان سلاطین است در گیہان بنی آدم (ص ۵۰۸)

ع پناہ جملہ اسلام و پشت زمرۂ ایماں
مدار ملت احمد مراد خلقت آدم
خدایگاں سلاطین علائے دیں محمدؐ
کشیدہ دائرہ عدل گرد مرکز عالم (ص ۵۱۷)

ع سلطان علائے دولت و دیں خاصۂ خدا
ہرچہ از خدائے خواستہ دادہ خدا تمام (ص ۵۲۱)

ع اکنونکہ دین حق ز در تو مدد گرفت
چوں دور چرخ مدت ملکت مدید باد (ص ۴۸۸)

ع ہزار شکر کہ می پروریم جاں در ناز
بزیر رایت اسلام پرور سلطان (ص ۵۲۵)

ع آنچہ کرد می کند بہر بقائے دین حق
ہم بخدا اگر کند جز کرم خدایگاں (ص ۵۲۱)

ع بنام ایزد زہے چتر شہ دین دار کز عظمت
پر جبریل را ماند سوادش چوں خط فرماں (ص ۲۹۲)

ع اے پشت و پناہ امم و بازوئے خلقت
اے دیدۂ اسلام و پسندیدۂ سبحان (ص ۵۳۴)

ع شاہا تو نگہ داشتۂ قاعدۂ دیں دیں را تو نگہباں تو نگہباں تو یزداں (ص ۵۳۴)

؎ بے ہیچ شبہ شہ بود اندر پناہ حق
زیرا کہ ہست دیں حق اندر امان شاہ (ص ۵۳۹)

؎ علاء الدین والدنیا محمدؐ شاہ دیں پرور
کہ ہست از وے و رائش عالمے را کار بکشادہ (ص ۵۴۷)

؎ جہاں بخش علاء الدین سلطان جہانگیر
الحق شہ دیں پرور و اسلام پناہی (ص ۵۵۰)

؎ علاء الدین والدنیا محمدؐ شاہ دیں پرور
کہ از عدلش اساس شرع دار د سخت بنیادی (ص ۵۵۲)

؎ خدایگاں سلاطین علائے دنیا و دیں
مدار مملکت و بازوئے مسلمانی (ص ۵۵٦)

سلطان کا نام علاء الدین محمدؐ شاہ تھا۔ امیر حسن علاء سنجریؒ نے اکثر قصائد میں رعایت لفظی سے کام لے کر لکھا ہے کہ سلطان نے دین محمدؐ کی بنیادیں رسول مقبولؐ کی طرح استوار کی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ——

؎ نامش محمدؐ است محمدؐ صفت بہ بیں
دیں را زوال دولت او شد مدار ہا (ص ۲)

؎ محمدؐ ے کہ ہم از بہر دیں و ہم نامش
چو لشکرے ز عرب تا عجم بروں آمد (ص ۴۸۱)

؎ ابو المظفر شاہ جہاں محمدؐ شاہ
کہ چوں محمدؐ مقصود ہشت و چار آمد (ص ۴۸۴)

؎ محمدؐ آشکارا کرد دین حق بنام ایزد
کنوں در عہد ہم نامش شد ایں دیں آشکاراتر (ص ۴۹۶)

؎ ابوالمظفر خاص خدا محمدؐ شاہ
پناہ ملت و پشت ہدیٰ محمدؐ وار۔ (ص ۵۰۰)

؎ محمدؐ ست محمدؐ صفت بنام ایزد
چو خضر از رخ شادی درا مبارک فال (ص ۵۰۶)

؎ مدار ملت و پشت ہدیٰ محمدؐ شاہ
کہ ہست ہم چو محمدؐ پناہ اہل امم (ص ۵۱۷)

جگہ جگہ سلطان کی "اسلام پروری" اور "قاعدہ دین" کی پابندی کی تعریف کرتے ہیں ؎

؎ ہزار شکر کہ می پروریم جاں در ناز | بزیر رایت اسلام پرور سلطاں (ص ۵۲۵)

؎ ہمیشہ قاعدۂ دیں بروقوی باد | بنور روح محمدؐ بحق روح امیں (ص ۵۳۱)

؎ روئے عروس دیں محمدؐ یافت جمال | از چتر شہ خداش برافزود حال نو (ص ۵۳۵)

؎ شرع نبی و دین حق نشود بناکہ و فر | یافت بعہد مصطفےٰ باز بروزگار او (ص ۵۳۷)

؎ شاہ جہاں محمدؐ شرع محمدؐ یست | اندر پناہ مملکت جاوداں شاہ (ص ۵۳۸)

؎ سر ہمہ خلفائے امم محمدؐ آنک | کہ دین پاک محمدؐ بدو گرفت پناہ (ص ۵۴۶)

ایک جگہ قسم کھا کر یقین دلاتے ہیں ؎

؎ بجان جملہ اسلامیاں خورم سوگند | کزوست بر ہمہ اسلام منت جانی (ص ۵۵۵)

(باقی آئندہ)